

(۸۲)

اسلام وقتی جوش کیلئے نہیں بلکہ موت تک قربانی کیلئے بلاتا ہے

(فرمودہ ۳- ستمبر ۱۹۱۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی ::

اللّٰهُ - ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ - الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ - وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ - اُولٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُقْلِحُوْنَ ۝

اس کے بعد فرمایا:-

انسانوں میں سے بہت سے انسان سست بھی ہوتے ہیں، نکتے بھی ہوتے ہیں، بے استقلال بھی ہوتے ہیں اور بے ہمت بھی ہوتے ہیں اور ان کے بڑے خصائل کے خلاف واعظ لوگ لوگوں کو بہت کچھ کہتے سنتے بھی رہتے ہیں اور ان سے بچنے کی طرف متوجہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن اصل ہوشیاری، اصل ہمت اور کام کرنے کی طاقت و قوت کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے بہت کم لوگ آشنا ہوتے ہیں اس لئے بعض لوگ غلطی سے بعض باتوں کا نام ہمت، ہوشیاری اور کام کرنے کی عملی طاقت رکھ لیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ عملی طاقت ہمت اور ہوشیاری نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمت، ہوشیاری اور عملی طاقت و قوت تو بہت بڑی چیزیں ہیں اور ان کا حاصل کرنا یا اپنے اندر پیدا کرنا کوئی چھوٹی سی بات نہیں کیونکہ یہ بڑے صبر اور بڑی محنت کو چاہتی ہیں۔

بہت سے لوگ دنیا میں بعض وقتوں میں بڑے چوکس اور ہوشیار بھی ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے وہ چوکس اور ہوشیار نہیں ہوتے۔ بعض لوگ بعض وقتوں میں بڑے جوش سے کام کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان کا وہ فعل اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ بڑے ہمت والے اور اولوالعزم ہیں اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے اندر عملی طور پر کام کرنے کی طاقت اعلیٰ حد تک پہنچی ہوئی ہے کیونکہ ان کے تمام کام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہانڈی کا اُبال۔ ہانڈی جب چولہے پر چڑھی ہو تو اس میں اُبال آتا ہے مگر وہ اُبال قائم رہنے والی چیز نہیں ہوتی ذرا ڈھکنا اُتار دو ہیں بیٹھ جاتا ہے۔ تو وہ اعمال جو ان کی ہمت، چستی، اور ہوشیاری پر یا ان کے اندر عملی طاقت کے موجود ہونے پر بظاہر دلالت کرتے ہیں درحقیقت ہنڈیا کے اُبال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میرے خیال میں تو دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں جس پر کسی نہ کسی وقت جوش اور چستی کی حالت نہ گزرتی ہو۔ جس طرح ہر وہ ہنڈیا جو آگ پر رکھی جاتی ہے اُبلتی ہے اسی طرح ہر وہ انسان جو دنیا میں کام کرتا ہے کبھی نہ کبھی جوش دکھاتا ہے لیکن باوجود اس کے نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا کام کرنے والا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس کا جوش وقتی ہے۔ وقتی جوش بے شک ایک حد تک مفید ہوتا ہے اور اکثر کام دے جاتا ہے لیکن اس سے وہ نتائج نہیں نکل سکتے جو استقلال کے ساتھ کام کرنے سے نکلتے ہیں کیونکہ اس طرح جو نتائج نکلتے ہیں وہ وقتی جوش کی نسبت بہت بڑے ہوتے ہیں۔

اگر کوئی ایسا وقت آئے کہ ہندوؤں مسلمانوں کا یا مسلمانوں عیسائیوں کا یا ہندوؤں عیسائیوں کا مباحثہ ہو تو ہر قوم کے آدمی یہی ظاہر کریں گے کہ اپنے مذہب کی محبت میں ایسے چُور ہیں کہ ایک بات بھی اس کے خلاف نہیں سن سکتے لیکن جب پنڈت اور مولوی یا پادری مباحثہ سے اُٹھ کھڑے ہوں تو انہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارے مذہب میں بھی کوئی خوبی ہے یا نہیں، اس کیلئے غیرت چاہیے یا نہیں۔ مباحثات میں جاہلوں کو زیادہ جوش آیا کرتا ہے مگر جب گھر جاتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اب اس جوش کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہی لوگ صحابہ کا نمونہ ہیں اور واقعہ میں ان کی اس حالت کو دیکھ کر ایک نبی کی تربیت یافتہ جماعت کے ساتھ انہیں تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ لوگ اس وقت اپنے مذہب کے خلاف سن کر کرب ظاہر کرتے ہیں، دین کی محبت میں چُور نظر آتے ہیں، اپنے مذہب کی کامیابی پر اتنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ انہیں بادشاہت بھی ملتی تو بھی اتنی خوشی نہ

کرتے یہی حال سچی معرفت رکھنے والوں کا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ خدا تعالیٰ سے خاص تعلق رکھتے ہیں اس لئے کوئی مشکل ان کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی، کوئی تکلیف انہیں رنجیدہ نہیں کر سکتی ان کیلئے دین کی کامیابی سب سے بڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہی حالت مباحثہ میں ان لوگوں کی نظر آتی ہے۔ مگر ان دونوں جماعتوں میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ انبیاء کی تربیت یافتہ جماعت کے لوگ گھروں میں جاتے ہیں، سوتے ہیں، جاگتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، اپنے تمام کاروبار کرتے ہیں لیکن ان کی ہر حالت اور ہر وقت میں جوش اور چستی نمایاں ہوتی ہے اور جو دوسرے ہیں ان کا جوش صرف مباحثہ کے وقت تک ہی محدود ہوتا ہے۔ گھر جا کر وہ دنیا کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور دین کا خیال بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح بہت سے بخیل جن کے ہاتھوں سے ایک پیسہ بھی نہیں نکلتا بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے ہیں مگر سخی نہیں کہلا سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کسی خاص وجہ یا خاص منظر یا خاص بات سے متاثر ہو کر ان کا بخل دب جاتا ہے اس لئے وہ کچھ دے دیتے ہیں۔ اور یہ بات بیرونی اثرات سے ان میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ ان کی طبیعت سے نکلتی ہے لیکن ایک سخی کو مجلس کے اثرات یا کسی منظر کی کیفیات یا واعظ کا وعظ یا کسی کی شان و شوکت دینے کیلئے مجبور نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے۔ پھر کسی خاص وقت نہیں بلکہ تنگی و فراخی، عسر و آسہ ہر حال میں اس کی سخاوت ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

پس اصل بات جو دنیا میں کسی کو کامیاب کرتی ہے وہ ایک صفت کا اپنے اندر ہمیشہ کیلئے قائم کر لینا ہوتا ہے نہ کہ ایک وقت کیلئے اس کا حاصل کر لینا۔ کیونکہ وقتی جوش تو شیر سے شیر انسان کو بھی اپنے مذہب کی حمایت میں آجاتا ہے۔ چنانچہ اخباروں میں ایسے واقعات پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً دیانند کالج اور اسلامیا کالج کے لڑکوں میں میچ ہوا تو موچی دروازہ کے غنڈے لٹھے لے کر آگئے کہ مسلمان اور آریوں کا مقابلہ ہے ہمیں مسلمانوں کی ہمدردی کرنی چاہیے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر نہیں کہہ سکتے کہ ان میں اسلامی جوش ہے۔ کیونکہ ایک نظارہ کی وجہ سے ان میں وقتی جوش نظر آتا ہے اور حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ اصل ہمت اور جوش سے کام کرنے والا وہ انسان ہوتا ہے جو کبھی ٹھکتا نہیں خواہ کتنا ہی مشکل کام اسے پیش آئے، اور کتنا ہی لمبا عرصہ اس کے کرنے میں لگے۔ لیکن وہ جو ایک وقت خواہ کتنا ہی جوش دکھائے اس کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے اس لئے کبھی اس قسم کا انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جتنے

انسان کامیاب ہوتے ہیں اور جتنی تو میں ترقی کرتی ہیں وہ وہی ہوتی ہیں جن کی ہمت اور جوش نے وقت کو نہیں دیکھا۔ خواہ دس برس لگیں یا بیس تیس یا چالیس پچاس، جب تک ان کا مدعا حاصل نہ ہو چھوڑتی نہیں۔ یہ نہیں کہ ان میں وقتی جوش پیدا ہو گیا ہو۔ بعض لوگ وقتی جوش سے کوئی اچھا کام کر لیتے ہیں لیکن گھر آ کر پچھتاتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ کسی جلسہ میں دوسروں کو دیکھ کر خود بھی دے دیتے ہیں مگر گھر آ کر پچھتاتے ہیں اور کہتے ہیں چندہ نہ دیتے یا جتنا دیا اس سے کم دیتے تو اچھا ہوتا۔ اس طرح جو ثواب انہیں ہونا ہوتا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

اسلام جس طرف بلاتا ہے وہ وقتی جوش کا کام نہیں بلکہ موت تک انسان کو قربانی کرنے کیلئے بلاتا ہے اس لئے مومن پر کوئی وقت ایسا نہیں آتا کہ اسے قربانی کیلئے نہ بلایا جائے ہر حالت اور ہر وقت میں آسمانی آواز اسے پکار پکار کر کہتی ہے کہ ابھی بڑا کام ہے خوب جوش سے لگے رہو۔ ہماری جماعت نے جو کام شروع کئے ہیں ان کے کرنے میں بعض آدمی گھبرا جاتے ہیں کہ کیا ہم ہمیشہ ہی یہ کام کرتے رہیں گے۔ ایسے نادان نہیں جانتے کہ انہیں نفس دھوکا دے رہا ہے۔ یہ کام کچھ حقیقت نہیں رکھتے اور خدا تعالیٰ کو یہ مد نظر نہیں کہ کسی کا روپیہ خرچ کرادے اور نہ یہ مد نظر ہے کہ کسی کا وطن چھڑا کر دوسرے ممالک کی سیر و تفریح کرادے اور نہ اسے یہ منظور ہے کہ وقت خرچ کر کے اٹھیں بیٹھیں بلکہ وہ تو تم میں ایک ایسی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ انسان کسی روک اور کسی مشکل کو خدا تعالیٰ کیلئے برداشت کرنے میں ہچکچائے نہیں اور اس کیلئے کسی وقت دشمن کے مقابلہ سے نہ ہٹے بلکہ ہر وقت ہتھیار تیز رکھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ایک دشمن سے اس کا مقابلہ ہے وہ دشمن خواہ اپنا ہی نفس ہو یا دوسرے انسان یا شیطان ہو، ہر وقت اس کے سر پر موجود ہے۔

ہمارے لئے جو کام ہے یعنی صداقت اسلام کو پھیلانا یہ کوئی آسان کام نہیں۔ نہ کوئی مٹھائی ہے کہ اٹھائی اور کھائی، نہ کوئی کپڑا ہے کہ پہن لیا۔ اس لئے یہ وقتی جوش کا کام نہیں بلکہ حقیقی جوش رکھنے والی جماعت کا کام ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کی اصلاح کا ایسا فرض ہے جس کے خلاف ساری دنیا زور لگا رہی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ پندرہ بیس مست ہانھی چھوڑ کر ایک بچہ کو کہا جائے کہ ان کو پکڑو۔ جانتے ہو اس بچہ کو کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ پس وہ مست ہانھی جنہیں بڑے بڑے تجربہ کار مہاوت رام نہیں کر سکے ان کے درمیان ہماری

جماعت کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو بچہ کی طرح ہے اور مخالف لوگ مست ہاتھیوں کی طرح جو جھوٹی آزادی کو آزادی سمجھ کر خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہیں اصل آزادی کی طرف لانا چاہتا ہے اسے گچل دیں۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ جہاں مریض کو یہ خیال ہو کہ مجھے زہر پلایا جا رہا ہے وہاں ڈاکٹر کو کسی دقت پیش آتی ہے۔ بہت ہی زور ہو تو دوائی پلائی جاسکے۔ ایک تو وہ مریض ہے جو سمجھے کہ میرا علاج ہو رہا ہے وہ بھی دوائی پینے سے منہ بناتا، ناک بھوں چڑھاتا اور کہتا ہے دوائی بے مزہ ہے پینے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن ایک ایسا مریض ہے جس کو یہ یقین ہو کہ وہ درد جو آگے میرے لئے مصیبت کا موجب ہو رہا ہے دوائی پینے سے دگنا ہو جائے گا یا اس دوائی کے حلق سے اترتے ہی جان نکل جائے گی تو بتاؤ وہ مریض کس شدت سے ڈاکٹر کا مقابلہ کرے گا۔ ایسے موقع کیلئے بڑا باہمت اور استقلال والا اور مدبر ڈاکٹر چاہیے جو طرح طرح سے اسے بہلا کر اور نرم کر کے دوائی پلائے۔ پس ہمارے سپرد بھی جو مریض ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں زہر دیا جائے گا۔ وہ مسیح موعود جو دنیا کو ہدایت کی طرف بلانے آیا تھا اس کا ذکر ان کے سامنے کر دو تو فوراً پتھر مارنے لگ جائیں گے۔ وہ مسیح موعود جو دنیا کے آرام کا باعث تھا اسے دکھ کا باعث سمجھ رہے ہیں، وہ مسیح موعود جو سچائی کی طرف بلانے آیا تھا دنیا کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ مسیح جو شیطان کے پنجے سے آزاد کرنے کیلئے آیا تھا دنیا سمجھ رہی ہے کہ اپنی غلامی میں جکڑنے کے لئے آیا اور دنیاوی عزت کیلئے لوگوں کو غلام بناتا ہے۔ وہ مسیح جو خدا سے تعلق قائم کرانے کیلئے آیا تھا دنیا کو یقین ہے کہ وہ خدا سے دور کرنے آیا ہے۔ پس ایسی صورت میں اگر ان کو سمجھایا جائے تو وہ مخالفت میں سارا زور لگاتے ہیں اور برداشت نہیں کرتے کہ ہمارا نسخہ استعمال کریں۔ ایسے موقع پر ہمیں کسی معمولی نہیں بلکہ بڑے بھاری استقلال کی ضرورت ہے۔ پھر اگر کسی ڈاکٹر کے پاس ایک دو مریض ہوں تو وہ خیال کر سکتا ہے کہ دو گھنٹہ یا چار گھنٹہ میں کام کر کے فرصت ہو جائے گی۔ لیکن جہاں کروڑوں مریض ہوں ایسے موقع پر یہ خیال کرنا نادانی ہوگی کہ ہمارا کام ایک یا دو دن کا ہے کیونکہ یہ اصل میں صدیوں کا کام ہے اور اس کیلئے نسلیں در نسلیں آئیں گی اور ان کے ہاتھ خالی نہ ہوں گے کام زیادہ ہوگا اور آدمی تھوڑے، کیونکہ دینی کام تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی قوم

یہ سمجھ لے کہ اب میرا کام ختم ہو گیا ہے اسی وقت اس کے افراد جو بمنزلہ ڈاکٹر کے ہوتے ہیں مریض ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ ایسا مرض ہے کہ جب ڈاکٹر یہ سمجھ لیں کہ اب کوئی مریض نہیں تو وہی مرض ڈاکٹروں کو لگ جاتا ہے۔ پھر آسمان سے ڈاکٹر آ کر ایک مدرسہ قائم کرتا ہے اور اس میں ایسے ڈاکٹر تیار کرتا ہے جو دنیا میں مریضوں کے علاج میں لگ جاتے ہیں۔ اس پر صدیوں کی صدیاں گزر جاتی ہیں اور وہ فارغ نہیں ہوتے حتیٰ کہ بعض لوگ علم ڈاکٹری کو بھول جاتے ہیں اس لئے وہی مریض بن جاتے ہیں اور ایسے مریض کہ لوگ ان پر ہنستے ہیں جیسے آج کل یورپ کے لوگ مسلمانوں پر ہنس رہے ہیں۔ غرض یہ مقابلہ کوئی چھوٹا سا مقابلہ نہیں بلکہ بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔ جب کوئی انسان اس کو ہاتھ میں لے تو سمجھ لے کہ مرتے دم تک ایسا کوئی وقت نہیں آئے گا کہ میں اس سے فارغ ہو سکوں۔ پس ہماری جماعت کیلئے جس نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے بہت بڑی ہمت، عملی طاقت اور استقلال کی ضرورت ہے اور جب تک ہم خاص جوش اور استقلال سے کام نہ کریں گے کامیابی کہاں ہو سکتی ہے۔ ہم سے پہلی جماعتوں نے یہ کام کیا اور ایسا کیا کہ دن رات ایک کر دیا تب جا کر انہیں کامیابی ہوئی۔

یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے کچھ کام بیان فرمائے ہیں۔ ایک طرف تو یہ فرمایا کہ **يَوْمَئِذٍ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جو باتیں لوگوں کی نظروں سے غائب اور دنیا سے پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر ان کو ایمان اور یقین ہو جاتا ہے۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر خوردبین سے باریک چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اسی طرح وہ چیزیں جو لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہیں مثلاً ہستی باری تعالیٰ، ملائکہ متقی لوگ ان سے اچھی طرح آگاہ ہو جاتے ہیں اور انہیں ان کے متعلق تسلی حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز وہ باتیں جو لوگوں پر پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے جن پر انہیں ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ کامل ایمان کا حاصل ہونا بڑی خوبی کی بات ہے۔ یہ ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو ماننے والے لاکھوں اور کروڑوں ہیں لیکن اگر خدا کی ہستی کے متعلق کرایا جائے تو اکثر دہریے نکلیں گے اور بہت سے ایسے ہوں گے جن میں ایمان ہی نہیں۔ پھر فرماتا ہے **وَيُؤَيِّمُونَ الصَّلَاةَ** وہ ایک دو وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے بلکہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ان کی نظر اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ غیب پر انہیں ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو نمازیں قائم کرتے ہیں اور ان پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ ”اقامت“ کسی چیز کو قائم کرنا اور اس پر دائم رہنا ہے

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ نماز کو ہمیشہ قائم رکھتے ہیں۔ اس کے معنی نماز کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھنا اور کوئی نقص اور کمزوری نہ کرنا بھی ہیں۔ یعنی وہ نمازوں کو اس طرح پر ادا کرتے ہیں کہ کوئی کمزوری نہیں رہنے دیتے یعنی نماز کے کل ظاہری اور باطنی شرائط کو پورا کرتے ہیں۔

وَمَا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پہلے ان کا ایمان کامل ہوتا ہے پھر وہ خدا کی عبادتوں میں مشغول ہوتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں سے نیک سلوک کرنے لگتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس چیز سے انسان کو محبت ہوتی ہے اس سے اور جتنی چیزیں تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں ان سے بھی اس کو محبت ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں مجنوں کسی گلی سے گزر رہا تھا کہ اسے لیلیٰ کا گیتا نظر آیا وہ اس سے پیار کرنے لگ گیا۔ تو یہ ایک پختہ بات ہے کہ جس چیز کی عزت انسان کے دل میں ہوتی ہے اس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی وہ عزت کرتا ہے۔ دیکھ لو جس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تھی تو لوگ جب پہنتے اور عربی و فارسی پڑھتے تھے۔ لیکن اب اگر کوئی جب پہنتے تو لوگ ہنسیں کہ یہ بھی کوئی لباس ہے اور عربی و فارسی کو تو لغو ہی کہتے ہیں ان کی بجائے انگریزی پڑھنے پر زور ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی مخلوق کے ساتھ بھی تعلق ہو جاتا ہے اس لئے وہ خدا کے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں اور محتاج اور غریب لوگوں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔

پھر وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ آنحضرت ﷺ پر جو کلام نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے تعلق رکھنے کا ذکر تھا۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا تھا کہ کس طرح عمل کیا جائے؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ﷺ جو تعلیم لائے اس پر عمل کرو اس لئے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ اور مَا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ کیونکہ جب کوئی سچے دل سے ہستی باری تعالیٰ پر ایمان لے آئے گا اور اس کی عبادت کو اپنی عادت میں داخل کر لے گا اور خدا کی مخلوق سے نیک سلوک کرے گا تو فوراً اس بات کا بھی اقرار کرے گا کہ میری عقل ایسی نہیں جو ہر بات کے نفع و ضرر تک پہنچ جائے اس لئے کسی رستہ بتانے والے کی ضرورت ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی ہو نہیں سکتا۔

پھر وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ آنحضرت ﷺ کو مان کر ضرور ہے کہ اور نبیوں کو بھی مانا جائے

کیونکہ ایک سچائی دوسری سچائی کو قبول کرنے کیلئے رستہ صاف کرتی ہے۔ چنانچہ آپ پر جو کلام اُترا، اس کو مان کر اور نبیوں کا ماننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہندو جو حضرت موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم (علیہ السلام) کو جھوٹا سمجھتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان لاتا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی مان لیتا ہے کہ یہ سب خدا کے سچے رسول تھے۔

پھر بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ جب پہلے کلاموں پر یقین ہو جائے تو یقیناً اس بات کو بھی ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی کوئی صفت معطل نہیں ہوتی۔ جس طرح وہ پہلے کلام کرتا تھا ویسے ہی اب بھی کرتا ہے اسی طرح آنے والے کلام پر یقین حاصل ہو جاتا ہے

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قوم نبی کی تعلیم کو بھول کر تباہ و برباد ہو گئی وہ وہی ہے جس نے یہ کہا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آنے والے کلام پر بھی ایمان لایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی کہہ دیا کہ قُولُوا إِنَّهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَآ نَبِيَّ بَعْدَكَ ۚ یہ تو کہو کہ رسول اللہ انبیاء کے خاتم ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ آپ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا جو ہمیشہ سے اپنی مخلوق کی ہدایت کیلئے نبی بھیجتا آیا ہے، کیا ممکن ہے کہ کسی کونبوت کے قابل سمجھ کر اس پر فائز نہ کرے۔ اور آئندہ کیلئے کلام کرنا بند کر دے۔ پس اگر پچھلی کلام پر یقین آجائے تو آئندہ پر ضرور ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ یہی وہ لوگ ہیں جو سچی ہدایت پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور صرف یہی وہ ہدایت ہے جو انسان کو کامیاب کر دیتی ہے کیونکہ جب یہ یقین ہو جائے کہ خدا کی طرف سے کلام نازل ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ یہ انعام دے سکتا ہے تو انسان محنت بھی کرے گا۔ میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کے آپ یہ معنی فرماتے کہ متقی وہ ہوتا ہے جو ایک حد تک اعمال کرے اور مدار شریعت احکام کو پورا کرے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ سے یہ مطلب ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ متقی سے بڑھا کر اوپر کے درجہ پر لے جاتا ہے اور متقی کے بعد یہ درجہ ہوتا ہے کہ خدا اس سے کلام کرتا ہے یعنی وحی کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے۔ پس جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ وحی کا دروازہ کھولا جائے گا تو وہ کوشش بھی کرے گا۔ اور جس کو یہ امید ہی نہ ہو وہ نہیں کرے گا۔ مثلاً ایک آدمی کو یقین ہو کہ فلاں مکان پر فلاں چیز ہوگی تو وہ وہاں جائے گا

لیکن اگر اسے معلوم ہو کہ نہیں ہوگی تو نہیں جائے گا۔

متقی کے واسطے یہ باتیں ہیں اور ایسی ہیں کہ ایک دم کیلئے اگر ان کو چھوڑ دے تو جھٹ اس کا ایمان گر جاتا ہے۔ کوئی کہے کہ اب ان کی ضرورت نہیں تو خدا تعالیٰ سے دور کیا جائے گا۔ نماز اور صدقہ کو چھوڑنے سے پہلی حالت قائم نہ رہے گی، قرآن پر ایمان نہ لانے سے ذلیل ہو جائے گا کیونکہ شریعت کے جتنے احکام ہیں وہ ایسے ہیں جو سب انسانوں سے ہر وقت تعلق رکھتے ہیں اور بار بار کئے جاتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے اس طرف متوجہ کیا ہے کہ کامیاب وہ انسان ہو سکتا ہے جو ہر وقت لگا رہے۔ مسلمانوں کی نمازیں ایسی نہیں کہ کچھ پڑھ کر چھوڑ دیں۔ صدقہ و خیرات ایسا نہیں کہ ایک دو دفعہ کیا اور پھر چھوڑ دیا بلکہ جس دن سے کوئی مسلمان ہوتا ہے اس سے لے کر مرنے کے دن تک یہ باتیں ساتھ ہی رہتی ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جتنے کام خدا کیلئے ہوتے ہیں وہ اس طرح کے ہوتے ہیں۔

پس ہمارے کاموں پر سال پر سال گزریں تو ہمیں پہلے سے زیادہ جوش اور استقلال دکھانا چاہیے کیونکہ ہم تو اس انسان کی امت ہیں جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** سہ تیری ہر آنے والی گھڑی پچھلی سے اچھی ہے۔ پس پچھلے سال اگر کسی کو کسی نیک کام کرنے کی توفیق ملی تھی تو اب اسے یہ خیال ہونا چاہیے کہ اگلے سال اس سے زیادہ توفیق ملے اور اگر کوئی پچھلے سال کی نسبت سست ہو جاتا ہے تو گویا آنحضرت ﷺ کے اتباع سے ہٹتا ہے کیونکہ خدا تو فرماتا ہے **وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ** اور دوسری جگہ فرماتا ہے **لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** ہے کہ اگر تمہیں کوئی کام کرنا ہو تو رسول کی پیروی سے کرو۔ پس ہماری ہر گھڑی پہلی سے اچھی اور ہر سال پہلے سال سے اچھا ہونا چاہیے۔ اور جو کچھ پچھلے سال کیا اس پر یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ بہت خدمت کر لی ہے بلکہ یہ خیال ہونا چاہیے کہ پچھلے سال ہم ایک سیڑھی چڑھے تھے اور ایک اب چڑھیں گے۔ اس لئے بڑھ کر کام کرنا چاہیے ہمیں اور نہیں تو جواری سے ہی سبق لینا چاہیے۔ جواری جس قدر مال ضائع کرتا ہے اتنی ہی کھیلنے کی اور تڑپ اس کو پیدا ہوتی ہے۔ مگر ہم تو مال ضائع نہیں کرتے بلکہ بیچ بوتے ہیں۔ جواری تمام مال کے خرچ ہو جانے تک ہمت نہیں ہارتا۔ ہندوؤں میں تو بعض اپنی بیویاں بھی ہار دیتے ہیں کہ شاید اب کچھ آجائے۔ ایک مومن کی ہمت کم از کم جواری سے تو بڑھ کر ہونی چاہیے۔ کیونکہ جواری جس کو کوئی آسمانی

طاقت نہیں کہتی کہ بڑھے چلو، وہ ہمت نہیں ہارتا اور روپیہ لگا تا رہتا ہے۔ مومن کو تو ہر وقت آواز آتی ہے کہ ابھی تمہارے ذمہ بہت کچھ کام ہے کام میں لگے رہو۔ پس مومن کو ہر وقت یہ خیال ہونا چاہیے کہ میں ہر روز زیادہ مال خرچ کروں اور اُس وقت تک کرتا رہوں کہ موت آجائے اور خدا کے حضور اپنے اعمال کا بدلہ لینے چلا جاؤں۔ پس اس قسم کے استقلال اور جوش کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک یہ نہ ہوگا کامیابی نہیں ہو سکے گی۔

ہماری جماعت کے بعض لوگ گھبر جاتے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا ہر کام پہلے سے اعلیٰ ہونا چاہیے کیونکہ ہم اس نبی کی امت ہیں جس کی ہر گھڑی پہلی سے اعلیٰ تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل کرے اور ہماری سستی، بے ہمتی اور بے استقلالی کو دور کر کے اس راستہ پر چلائے کہ جس پر چل کر ہم کامیاب ہو جائیں اور اس راستہ سے بچائے جس پر چل کر ٹھوکر کھائیں۔ (الفضل ۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

۱۔ البقرة: ۶۲

۲۔ تکملہ مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۸۵ مطبوعہ نولکشور

۳۔ الضحیٰ: ۵

۴۔ الاحزاب: ۲۲